یہ امر باعثِ حیرت ہے کہ جناب ظفر اقبال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہٗ کو خلفائے راشدین میں شمار کرنے سے گریزاں ہیں اور ان کے نزدیک خلفائے راشدین صرف چار ہیں (ص ۲۷۷) لیکن اس دور کے ایک غیر صحابی بزرگ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ العزیز کے نام سے پہلے انہیں ''امام راشد'' لکھتے ہیں (ص ۱۳۰، ۱۳۶)

مؤلف نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بعض مقامات پر ''حکماً خلیفہ راشد'' لکھا ہے گویا بقول شخصے صورتاً مانا ہے، حقیقتاً نہیں۔ اسی طرح مؤلف نے جنگِ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہٗ کو مصیب (حق پر) اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہٗ کو مخطی (خطا پر) تحریر کیا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں واجب التکریم شخصیات حق پر تھیں اور یہ دونوں اصحابِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلم مجتہد بھی تھے۔ انہیں یہ حق حاصل تھا کہ وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جو راہ بہتر خیال فرمائیں، اسے اختیار کریں۔ سوال یہ ہے کہ کیا سیدنا علی رضی اللہ عنہٗ نے بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہٗ کو خاطی کہا ہے؟ ہرگز نہیں۔ لہٰذا اب کسی بھی غیر صحابی کو یہ حق مطلق حاصل نہیں ہے کہ وہ ان دونوں مقربانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی ایک کی خطا شماری کرے۔ یہی مسلکِ اعتدال ہے۔ حضرت ابن حجر عسقلانی تحریر کرتے ہیں کہ:

> ''متقدمین کے نزدیک اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان سے افضل تھے اور جنگوں میں سیدنا علی راہِ صواب پر تھے اور آپ کے مخالفین (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہٗ اور ان کے ساتھی راہِ خطا پر تھے، تشیّع کہلاتا تھا۔ باوجود حضرات شیخین (سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کو افضل اور مقدم سمجھے۔'' (تہذیب التہذیب جلد اص ۹۴ بحوالہ ''سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی'' صفحہ ۱۸۱ از حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہٗ کی ''خطائے اجتہادی'' شیعیت کا پروپیگنڈہ ہے، جس کے اثر سے اپنے عہد کی بڑی بڑی شخصیات بھی نہ بچ سکیں۔ ماضی قریب کا مشہور شیعہ شاعر، مرزا غالب بھی اس پروپیگنڈہ کی تبلیغ کرتے ہوئے سیدنا معاویہ رضی اللہ کو اپنے طعن کا نشانہ بناتے ہوئے کہتا ہے ؂

یہ اجتہاد عجب ہے کہ اک دشمنِ دیں
علی سے آ کے لڑے اور خطا کہیں اس کو

امید ہے کہ فاضل مؤلف اس جانب بھی ٹھنڈے دل و دماغ سے توجہ فرمائیں گے۔ اچھے کاغذ اور خوبصورت کتابت وطباعت کے باوجود کتاب میں کتابت کی کچھ اغلاط باقی رہ گئی ہیں، جن سے کتاب کی حیثیت چنداں متاثر نہیں ہوتی۔ (تبصرہ: ڈاکٹر محمد عمر فاروق)

- کتاب: مولانا لال حسین اخترؒ، سوانح وافکار مرتب: مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

ضخامت: ۴۰۰ صفحات قیمت: درج نہیں ناشر: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، حضوری باغ روڈ ملتان

مولانا لال حسین اختر رحمہ اللہ مجلس احرار اسلام کے نام ور رہنما اور تحریک تحفظ ختم نبوت کے بے باک مجاہد

تھے۔مولانا لال حسین اخترؒ نوجوانی میں مرزائیوں کے لاہوری گروہ کے نرغے میں پھنسے۔مرزائیوں نے مولانا کی تعلیم پر پچاس ہزار روپے سے زائد رقم خرچ کی اور انھیں قرآن مجید کی تفسیر،حدیث،بائبل،عیسائیت،ہندی و سنسکرت زبانوں وید،ردّ آریہ سماج اور علمِ مناظرہ میں طاق کر کے اپنا مرکزی مبلغ بنالیا۔لیکن قدرت کو آپ سے اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام لینا مقصود تھا۔اس لیے ۱۹۳۱ء کے وسط میں مولانا لال حسین اخترؒ نے جب آنجہانی مرزا قادیانی کو بار بار بھیانک صورت میں خواب میں دیکھا تو مرزائیت کے متعلق شکوک وشبہات پیدا ہوگئے۔چھ ماہ تک غیر جانبدارانہ ذہن کے ساتھ مرزائیت کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔جس کے نتیجے میں آپ پر اسلام کی حقانیت واضح ہوگئی اور آپ جنوری ۱۹۳۲ء میں مشرف بہ اسلام ہوکر مجلس احرار اسلام میں شامل ہوگئے پھر مجلس احرار کے مبلغ کے طور پر ہندوستان بھر میں قادیانیوں سے مناظرے کیے اور انھیں شکست فاش سے دوچار کیا۔پاکستان بننے کے بعد مولانا لال حسین اخترؒ مجلس احرار اسلام کے شعبۂ تبلیغ میں نمایاں خدمات انجام دیتے رہے۔اس دوران سیکڑوں قادیانیوں نے اُن کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔۱۹۵۳ء کی تحریکِ مقدس تحفظ ختم نبوت میں مجلس احرار کے پلیٹ فارم سے تاریخی خدمات انجام دیں۔جب تحریک کے نتیجے میں مجلس احرار خلافِ قانون قرار دی گئی تو احرار رہنماؤں نے جماعت کے شعبۂ تبلیغ ''تحفظ ختم نبوت'' کو متحرک اور منظّم کیا،لیکن جب بعض رہنماؤں نے اس شعبۂ تبلیغ کو مجلس احرار سے الگ کر کے مستقل جماعت کی شکل دی تو مولانا لال حسین اخترؒ نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے سٹیج سے بھی عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے بے مثال کام کیا اور آپ مجلس کے مرکزی امیر بھی رہے۔ ۱۱رجون ۱۹۷۳ء کو مجلس ہی کے دفتر لاہور میں انتقال فرمایا اور دین پور شریف کے تاریخی قبرستان میں سپردخاک ہوئے۔

زیرِتبصرہ کتاب مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی (مبلغ مجلس تحفظ ختم نبوت) نے ترتیب دی ہے۔اُن کے بقول انھیں مولانا لال حسین اخترؒ سے ''براہِ راست استفادہ کا موقع نہ مل سکا''،لیکن اس کے باوجود انھوں نے مولانا لال حسینؒ سے متعلق مواد کو یکجا کر کے کتابی شکل میں پیش کر دیا ہے۔کتاب درج ذیل ابواب پر مشتمل ہے:

(۱) باب اوّل: حالاتِ زندگی (۲) باب دوم: مکتوبات (۳) باب سوم: تردیدِ قادیانیت کے سنہری اصول (۴) باب چہارم: خطابت (۵) خراجِ تحسین

کتاب کے پہلے باب میں مولانا لال حسین اخترؒ کے خودنوشت سوانحی حالات سے چند اوراق نقل کیے گئے ہیں۔جن میں مولانا نے اپنی پیدائش،تعلیم،قبولِ قادیانیت،ترکِ قادیانیت اور مجلس احرار میں شمولیت جیسے عناوین کا احاطہ کیا ہے۔یہ عرصہ ۱۹۳۳ء تک کے دور پر محیط ہے۔۱۹۳۳ء تا ۱۹۴۸ء کا زمانہ مولانا لال حسین اخترؒ کی مناظرانہ کامیابیوں اور احرار کی بدولت اُن کی ہندوستان گیر شہرت اور عروج کا حامل ہے مگر کتاب میں اس عرصہ کے متعلق مواد دستیاب نہیں ہے۔جس کے تذکرہ کے بغیر مولانا لال حسین اخترؒ کی حیاتِ مبارکہ کے اوراق نامکمل رہ جاتے ہیں۔

فاضل مرتب نے ۱۹۴۹ء کے احوال کے ضمن میں ''مجلس تحفظ ختم نبوت کے رکنِ رکین'' کے عنوان سے لکھا ہے کہ:

''تقسیم سے پہلے آپ (مولانا لال حسین اخترؒ) نے مجلس احرار اسلام کے پلیٹ فارم سے قادیانیوں کو

ناکوں چنے چبوائے اور پاکستان بننے کے بعد آپ نے ۱۹۴۹ء میں تشکیل پانی والی جماعت مجلس تحفظ ختم نبوت میں شرکت فرمائی اور مجلس کے صدرالمبلغین قرار پائے۔'' (صفحہ ۳۷)

مندرجہ بالا عبارت کو پڑھنے سے عیاں ہوتا ہے کہ فاضل مرتب مجلس احرار اسلام کی تاریخ کی اصلاح اور مجلس تحفظ ختم نبوت کی تاریخ کی تدوین کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اسی لیے انھوں نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے قیام کا سال ۱۹۴۹ء تحریر کیا ہے۔ اگر اُن کی اس تحقیق کو درست تسلیم کیا جائے تو یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ:

(۱) جب ۱۹۴۹ء میں مولانا محمد علی جالندھریؒ نے مجلس احرار کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار فرمالی تھی۔ (روزنامہ ''آزاد'' لاہور، بحوالہ: ''سید عطاء اللہ شاہ بخاری، سوانح وافکار'' از مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی، ص ۲۵۱) تو مجلس تحفظ ختم نبوت کس نے قائم کی تھی، کیوں کہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے تو صدر مجلس احرار ماسٹر تاج الدین انصاری کے نام اپنے پالیسی خط (دسمبر ۱۹۴۸ء) میں مجلس احرار سلام کی بقا کو شرعی امر قرار دیا تھا۔

(۲)　اگر مجلس تحفظ ختم نبوت ۱۹۴۹ء میں قائم ہوئی تھی تو اُس کے عہدیداران کے اسمائے گرامی کا لکھنا ضروری تھا کیوں کہ مولانا اللہ وسایا کی کتاب ''تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے صفحہ ۵۹۴ پر مندرج ہے کہ ۱۶/ جنوری ۱۹۵۳ء کو آل مسلم پارٹیز کنونشن، کراچی میں مولانا محمد علی جالندھریؒ نے بحیثیت جنرل سیکرٹری مجلس احرار سلام پنجاب' حضرت امیر شریعت کے ہمراہ مجلس احرار کے نمائندہ کے طور پر شرکت فرمائی تھی اور اسی حیثیت سے مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ نے ۱۹۵۳ء کی تحریک کے بعد مجلس احرار اسلام کی طرف سے ہی منیر انکوائری کمیشن کے سامنے تحریری جواب پیش فرمایا تھا۔ (حوالہ کے لیے مولانا اللہ وسایا کی مذکورہ کتاب ملاحظہ کریں)۔ جب ان سوالات کو مدنظر رکھا جائے گا تو ان شاء اللہ العزیز احرار کی تاریخ کی اصلاح کی ضرورت نہیں رہے گی۔

۱۹۴۹ء سے ۱۹۷۳ء تک مولانا لال حسین اخترؒ کی زندگی کے مختلف ادوار بابِ اوّل کی زینت ہیں مگر ۱۹۵۳ء کی تحریک کے دوران اُن کے کارہائے نمایاں مزید تفصیل کے متقاضی ہیں۔

بابِ دوم میں مولانا کے صرف تین مطبوعہ مکاتیب شامل کیے گئے ہیں۔ حالاں کہ اُن کے غیر مطبوعہ خطوط اب بھی بعض احباب کے پاس محفوظ ہیں۔ جنھیں تھوڑی سی تگ ودو کے بعد بآسانی حاصل کیا جاسکتا تھا۔

کتاب کا تیسرا باب مولانا لال حسین اخترؒ کی ردّ قادیانیت پر شائع شدہ مختلف تحریروں پر مشتمل ہے۔ مولانا لال حسین اخترؒ کی ان قلمی نگارشات میں عام قاری اور علماء کے لیے بھی مناظرانہ نوادرات موجود ہیں۔ جن سے خاطر خواہ استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

کتاب کا چوتھا باب مولانا کی تحفظ ختم نبوت کے عنوان پر مختلف تقاریر پر مشتمل ہے۔ جن سے ختم نبوت کے محاذ پر مصروفِ جہاد کارکن اور رہنما اپنی علمی تشنگی بجھانے کے ساتھ ساتھ دفاعِ ختم نبوت کے لیے مولانا کے عطا کردہ ناقابل تسخیر علمی ہتھیاروں سے چوکھی لڑائی لڑنے میں آسانی محسوس کریں گے۔

پانچویں باب میں حافظ نور محمد انور اور سید امین گیلانیؒ کی منظومات شامل ہیں۔ آئندہ اشاعت میں اس باب پر بھی خصوصی توجہ دی جائے اور مولانا پر لکھے گئے مختلف لوگوں کے مضامین اور مختلف شخصیات کے مولانا کے متعلق تاثرات کو شامل کیا جائے تو از حد مناسب ہوگا۔

مرتبِ کتاب سے ایک گزارش مزید یہ بھی ہے کہ جب وہ مولانا لال حسین اخترؒ کی حیات و خدمات کو منظر عام پر لانے کے لیے کمرِ ہمت باندھ ہی چکے ہیں تو انھیں چاہیے کہ وہ تحقیق کی پرخار وادیوں میں آبلہ پائی کے لیے نکلیں۔ بلاشبہ اب بھی وہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں جنھوں نے مولانا لال حسین اخترؒ کی قادیانی شاطروں سے معرکہ آرائیاں اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ اُن کی تقریروں کو سنا اور اُن کی صحبتوں سے جی بھر کر فیض پایا۔ کیا ہی اچھا ہو کہ تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر دادِ شجاعت دینے والے ایسے نام ور قائدین احرار کے تذکرے ایسے ہی لوگوں کی سماعتوں اور یادداشتوں کی مدد سے مرتب کیے جائیں۔ ورنہ آئندہ برسوں میں ان غیر مطبوعہ یادداشتوں کے بھی ضائع ہو جانے کا نقصان یقینی ہے۔

علاوہ ازیں جب مولانا لال حسین اخترؒ قادیانیت کے تعاقب کے لیے جزائر فیجی تشریف لے گئے تو اُن کی واپسی پر مولانا محمد علی جالندھریؒ کے حکم پر مولانا محمد سعید الرحمٰن علویؒ نے مولانا لال حسین اخترؒ کے اس تاریخی سفر کی روداد مولانا کی زبانی سن کر مرتب کی تھی اور مولانا علوی رحمہ اللہ کے برادرِ بزرگ مولانا عزیز الرحمٰن خورشید مدظلہ کے بقول مولانا سعید الرحمٰن علوی نے وہ مسودہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے ذمہ داروں کے سپرد کر دیا تھا، لیکن اُس مسودہ کا اس کتاب میں کچھ سراغ نہیں ملتا۔ اس تاریخی رودادِ سفر کو منظر عام پر لانا مجلس کے اربابِ اختیار کی اوّلین ذمہ داری ہے اور مولانا لال حسین اخترؒ جیسی بلند پایہ شخصیت پر اُن کی شایانِ شان مکمل سوانح حیات کی اشاعت کا فرض بھی وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ جس سے عہدہ برآ ہونا بہرصورت ضروری ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔ (تبصرہ: ڈاکٹر محمد عمر فاروق)

● کتاب: قراردادِ مقاصد کا مقدمہ　مصنف: سردار شیر عالم خان ایڈووکیٹ　مترجم: چودھری محمد یوسف ایڈووکیٹ
ضخامت: ۲۰۶ صفحات　قیمت: ۱۵۰ روپے　ناشر: الشریعہ اکادمی، ہاشمی کالونی، کنگنی والا، گوجرانوالہ

جب پہلی بار پاکستان کا نعرہ لگا تو اس کے ساتھ ہی ایک بحث نے ہندوستان میں جنم لیا۔ جب اس بحث کو بامِ عروج ملا تو ہندوستان تقسیم ہو گیا اور اس کے بعد ایک اور بحث کا آغاز ہوا کہ یہ کتنے دن باقی رہے گا؟ اور مشرقی پاکستان کا ساتھ کب تک قائم رہے گا؟ گویا مغربی پاکستان کو ''اصل حقیقت'' اور علامہ اقبال کا خواب تصور کر لیا گیا اور مشرقی پاکستان کو ایک اضافی صورت سمجھ لیا گیا (اسے غیر ضروری بھی کہا جا سکتا ہے) اور پھر جنرل ایوب خان کی بنگالیوں سے نفرت نے کام کر دکھایا۔ ایوب خان کے جانشین جنرل محمد یحییٰ خان نے مشرقی اور مغربی ہاتھ ایک دوسرے سے الگ کر دیئے۔ فوج کی نفرت نے پاکستان توڑ دیا۔ یہی فوج آج بار بار وطن عزیز کو فتح کر رہی ہے اور پاکستانیوں پر غداری کے مقدمے چلا رہی ہے۔ مملکتِ خداداد کی جیلیں بے گناہ شہریوں سے بھری ہوئی ہیں۔

پاکستان کے حوالے سے دو قراردادیں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ ایک قرارداد لاہور (۱۹۴۰ء) جسے بعد ازاں